ندوۃ المصنفین کی نئی اور شاندار پیشکش

عثمان ذوالنورین رضؓ

(از مولانا سعید احمد اکبر آبادی)

یہ وہی کتاب ہے جس کا اربابِ ذوق کو "صدیق اکبرؓ" کے بعد سے شدید انتظار تھا۔ اب زیورِ کتابت وطباعت سے آراستہ وپیراستہ ہوکر منظرِ عام پر آگئی ہے۔ شروع میں ایک طویل مقدمہ ہے جس میں عربوں کی تاریخ نویسی کی تاریخ اور اس پر محققانہ نقد وتبصرہ ہے۔ پھر سیدنا حضرت عثمان سوم خلیفہ راشد کے ذاتی حالات وسوانح، اخلاق و مکارم فضائل ومکارم اور اوصاف وکمالات، عہدِ نبویؐ اور عہدِ شیخینؓ میں نہایت عظیم الشان دینی خدمات، خود اپنی خلافت کے عہد میں نہایت اہم اور مختلف النوع کارنامے اور پھر جو فتنہ پیدا ہوا اس کے اسباب و وجوہ، فتنہ کے زمانے کے حوادث وواقعات اور شہادت، ان سب مباحث پر اس قدر جامع اور محققانہ کلام کیا گیا ہے کہ اصل حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ اس میں شک نہیں ہوسکتا کہ اس موضوع پر ایسی کتاب اردو زبان میں شائع نہیں ہوئی۔

قیمت: غیر مجلد بیالیس روپے -/42

مجلد پچاس روپے -/50

ملنے کا پتہ: ندوۃ المصنفین، اردو بازار دہلی

ہندوستانی مسلمانوں کی سیاسی کروٹوں کے

تنقیدی اور تنقیحی دستاویز

افکار و عزائم

مصنف: جمیل مہدی

قومی اور بین الاقوامی اور ملی مسائل کا ایک آئینہ

ماضی کے پس منظر میں مستقبل کی جانب پیش رفت

قیمت: سوا روپے

آج ہی اپنا آرڈر اس پتہ پر بھیجیں اور استفادہ حاصل کریں

خلافتِ عباسیہ اور ہندوستان

ہندوستان میں ۵۱۱ سالہ عباسی دورِ خلافت کے غزوات و فتوحات اور اہم واقعات و حادثات عباسی امراء و حکام کے ملکی و شہری انتظامات عرب و ہند کے درمیان گوناگوں تجارتی تعلقات، بحرِ بصرہ کے ماتحت بحری امن و امان کا پیام ہندی علوم و فنون اور علمائے اسلامی اور علوم و فنون اور علمائے اسلام اور ہندی موالی و ممالک وغیرہ مستقل عنوانات پر نہایت مفصل و مستند معلومات پیش کی گئی ہیں۔ نیز یہاں کے مسلموں اور غیر مسلموں کے عالمِ اسلام سے علمی و فکری اور تہذیبی و تمدنی روابط کی تفصیلات درج ہیں قیمت غیر مجلد ۔ ۴ روپے مجلد رنگین ۵۰ روپے

پتہ ندوۃ المصنفین، اردو بازار۔ جامع مسجد دہلی

تاریخِ اسلام

خلافتِ راشدہ و بنی اُمیّہ

قسط نمبر ۳

(از جناب عبدالرؤف صاحب - ایم - اے)

مذکورۃ الصدر اقتباس میں مناقشاتِ عہدِ خلافتِ حضرت علیؓ کے تناظر میں پروفیسر صاحب نے جہاد کا مقصد سیاسی بالادستی اور اقتصادی منافع حاصل کرنا قرار دیا ہے (جہاد کی خالص مادی توضیح کئی مقامات پر بیان فرمائی ہے جسے آئندہ سطور میں نذرِ ناظرین کیا جائے گا) لیکن بالفرض محال جمل و صفّین کے محاربات کے پس پردہ بھی اگر طلب حرص اور طلب نفع کا جذبہ ہی کارفرما تھا تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ فریق فاتح نے مفتوح افواج کا مال و متاع اپنے اُوپر مباح کیوں نہ کیا؟ جنگِ جمل کے دوران خوارج کو اعتراض ہی یہ تھا کہ حضرت علی حیدرؓ نے اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے معرکہ آرائی کی، اس کے باوجود نہ کسی کو قید کیا اور نہ مالِ غنیمت ہی کو ٹا[1] اور یہی جنگِ صفّین میں ہوا کہ اصل معرکہ شروع

---

[1] ترجمان السنہ ۱: ۳۴۲ ح ۲ از مولانا بدرعالم صاحب میرٹھی۔

ہونے سے قبل ہی حضرت علیؓ نے اپنی فوج میں یہ اعلان کر دیا کہ "خبردار لڑائی کی ابتداء اپنی طرف
سے نہ کرنا جب تک وہ حملہ نہ کریں، پھر جب تم انھیں شکست دیدو تو کسی بھاگنے والے کو قتل
نہ کرنا، کسی زخمی پر ہاتھ نہ ڈالنا، کسی کو برہنہ نہ کرنا، کسی مقتول کی لاش کا مثلہ نہ کرنا،
کسی کے گھر میں نہ گھسنا، اُن کے مال نہ لوٹنا اور عورتیں تو اہیں گالیاں بھی کیوں
نہ دیں، تم ان پر دست درازی نہ کرنا"[1] حضرت علی کرم اللہ وجہہؓ کی اِن واضح ہدایات کے
پیشِ نظر لائق پروفیسر صاحب کے اس مبتنیہ و مزعومہ مفروضہ کی تائید نہیں ہوتی کہ "ابتک
مسلمان عربوں کی تلوار سیاسی بالادستی اور اقتصادی منافع کے لئے صرف غیر مسلموں پر ہی اُٹھ رہی
تھی، اب اسی مقصد کے لئے وہ خود باہم دست و گریبان ہو گئے"۔ مزید برآں علامہ
کے اِن روشن احکامات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اِن (صحابہ رض) حضرات کی ذہنی
تربیت کس بلند و مرتفع سطح پر ہوئی تھی کہ عین معرکۂ کارزار میں بھی ان سے کسی سفلی اور فرو تر کام
کا ارتکاب نہیں ہوا۔ بقول حالی ؎

ہوئی ایسی عادت پہ تعلیم غالب — کہ باطل کے شیدا ہوئے حق کے طالب
مناقب سے بدلے گئے سب مثالب — ہوئے رُوح سے بہرہ ور اُن کے قالب

یہاں اس امر کی وضاحت کرنا بھی بے محل نہ ہوگا کہ جمل و صفین کے منازعات طلبِ قصاص کی
بنا پر واقع ہوئے تھے نہ کہ مادی فوائد کی طلب میں چنانچہ حضرات طلحہ و زبیر رضوان اللہ علیہم
سے پہلے مدینے سے تاخیرِ قصاصِ عثمان غنیؓ کی بنا پر ہی باہر آئے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ
نے بھی ان سے اس امر میں موافقت فرمائی نتیجۃً جنگِ جمل واقع ہوئی۔ بعد ازاں حضرت
امیر معاویہ ملکِ شام سے نکل کر مطالبہ قصاص کی وجہ سے ہی میدان میں آئے نہ کہ اپنی سیاسی
بالادستی منوانے کے لئے۔[2]

---

[1] خلافت و ملوکیت ص۲ مولانا مودودیؒ نیز تاریخ ابن خلدون ۱۰۰۵ قسط ۲ حاشیہ ۳ اگلے صفحہ پر

دوسرے صحابہ کرامؓ ایک ہی عقیدہ، یکساں عمل اور ایک ہی دین کے حامل اور اسی ایک مقصد دین کی خاطر ایک دوسرے سے برسرپیکار تھے، مگر ان میں اگر اختلاف تھا کہ اس مقصد دین کا اس وقت علمبردار کون ہے[1]

حضرت عمر فاروقؓ کی درشتی و سخت مزاجی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: عمر فاروقؓ کے والد خطاب بدکلام اور سخت مزاج آدمی تھے ..... یہ صفات عمر فاروقؓ کی سیرت میں بھی منتقل ہو گئے تھے ..... لوگ اُن کے سامنے آتے اور اُن سے بات چیت کرتے ڈرا کرتے تھے۔ ایک بار حجامت بنواتے وقت اُنھیں کھکار آئی تو حجام کا پاخانہ خطا ہو گیا۔ ایک آوارہ عورت کی اُن سے شکایت کی گئی، اُنھوں نے اُسے طلب کیا تو اُس کا حمل ساقط ہو گیا ..... وہ کھانا کھا کر ہاتھ نہیں دھوتے تھے بلکہ اپنے سینڈل سے پونچھ لیتے تھے اور کہتے: یہ عمر اور آلِ عمر کے رومال ہیں، ایک بار کسی صوبائی گورنر نے اُن کے ساتھ کھانا کھایا اور کھانے کے بعد ہاتھ پونچھنے کے لئے تولیا مانگا تو عمر فاروقؓ نے اُسے آڑے ہاتھوں لیا اور بولے: جوتوں سے ہاتھ پونچھتے ہوئے تمھیں شرم آتی ہے تو کلوں سے پونچھ لو" (ص ۹۹ و ۱۰۰) ..... صحابہ کو وہ ڈانٹتے، بُرا بھلا کہتے اور مارا بھی کرتے تھے ....." (ص ۱۸۳)۔

فاروقِ اعظمؓ کی سخت مزاجی کی یہ نظیریں کنز العمال اور حسین دیار بکری کی تاریخ الخمیس وغیرہ سے ماخوذ ہیں جن کا پایہ نقادانِ فن کے نزدیک زیادہ بلند نہیں۔ ان میں سے مؤخر الذکر

(حاشیہ ۳ گزشتہ صفحہ) تجلیاتِ مجدد الف ثانیؒ (مکتوبات کے آئینے میں) مشمولہ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ بابت نومبر و دسمبر ۱۹۶۱ء ص ۲۰-۱۹، از حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب زیدی مدظلہ العالی امروہوی نیز تاریخ اسلام ج ۲ ص ۷، مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی رفیق دار المصنفین اعظم گڑھ۔ [1] ترجمان السنہ ۱ : ۳۸ مطبوعہ ۱۹۵۸ء۔

تصنیف ۹۴۰ ہجری میں مکمل ہوئی ہے[1] یعنی حضرت عمرؓ کی شہادت کے تقریباً ۱۲ سو سال بعد اور حضرت عمرؓ کے سوانحی حالات پر دیگر تصنیفات اُن کے انتقال کے تقریباً سو سال بعد ضبط تحریر میں آئیں۔ یہ اسی سبب علامہ شبلی نعمانیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زہد و تقشف، سخت مزاجی اور سخت گیری کی نسبت سیکڑوں روایتیں مذکور ہیں اور بے شبہ اور صحابہؓ کی نسبت یہ اوصاف اُن میں زیادہ تھے لیکن اس کے متعلق اُن تمام روایتوں کو صحیح نہیں خیال کرنا چاہیے جو حلیۃ الاولیاء، ابن عساکر، کنز العمال، ریاض النضرۃ وغیرہ میں مذکور ہیں۔ اِن تصانیف کی بہت سی روایتیں بالعموم گرمیٔ محفل کا باعث ہوتی تھیں کہ ع "بڑھا بھی دیتے ہیں کچھ زیبِ داستاں کے لئے"[2] — دراصل بقول مولانا سید سلیمان ندویؒ "جب کسی زمانہ کے حالات مدت کے بعد قلمبند کئے جاتے ہیں تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ہر قسم کی بازاری افواہیں قلمبند کرلی جاتی ہیں، جن کے راویوں کا نام و نشان تک معلوم نہیں ہوتا۔ ان افواہوں میں سے وہ واقعات انتخاب کرلئے جاتے ہیں جو قرائن اور قیاسات کے مطابق ہوتے ہیں۔ تھوڑے زمانہ کے بعد یہی خرافات ایک دلچسپ تاریخی کتاب بن جاتے ہیں[3]"۔ غور فرمایئے کیا عامی سے عامی شخص بھی کھانا کھا کر اپنے جوتوں سے ہاتھ پوچھنا پسند کرے گا؟ چہ جائیکہ حضرت عمرؓ۔ یہ بات اصولِ نظافت کے قطعاً منافی ہے۔

مسلمانوں کا بچہ بچہ اس تاریخی حقیقت سے آگاہ ہے کہ اسلام کے موذنِ اول حضرت بلالؓ بن رباح (رحلت ۲۰ھ ۶۴۱ء) کو ان کے مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے (داخلِ اسلام ہونے کے بعد) اپنے غلام نسطاس رومی کے عوض اُن کے ظالم آقا

---

[1] ملاحظہ ہو سیرۃ نبویؐ کی اوّلین کتابیں، اور اُن کے مؤلفین از پروفیسر جوزف ہوروِ وِتس۔ ترجمہ پروفیسر نثار احمد فاروقی ص ۱۰۵ [2] الفاروق حصہ اوّل ص ۱۵،

[3] خطبات مدراس از مولانا سید سلیمان ندویؒ ص ۱۱ طبع سوم ۱۹۵۸ء۔

اُمیّہ بن خلف سے لے کر لوجہ اللہ آزاد کیا تھا۔ ممکن ہے صدیق اکبر نے نسطاس کے علاوہ کچھ رقم بھی اُمیّہ بن خلف کو دی ہو۔ بہرحال حضرت بلال ؓ کی رہائی کے بارے میں آقائے نامدار ؐ نے حضرت ابوبکر ؓ سے فرمایا تھا کہ اے ابوبکر! بلال کے خریدنے میں تم نے مجھے کیوں نہیں شریک کیا اور حضرت عمر ؓ فرمایا کرتے تھے۔ "ابوبکر ہمارے سردار تھے اور انھوں نے ہمارے سردار (سیدنا) بلال کو آزاد کیا۔"[1] مگر سیدنا بلال ؓ کی خرید کے سلسلے میں تاریخ اسلام۔ خلافتِ راشدہ و بنی اُمیّہ، کے فاضل مصنف کی تحقیق یہ ہے کہ "ابوبکر صدیق ؓ نے اسلام سے پہلے اپنے حبشی غلام بلال کو پانچ اوقیہ یا لگ بھگ سو روپے میں خریدا تھا۔" خط کشیدہ فقرہ سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ سیدنا صدیق اکبر ؓ نے سیدنا بلال ؓ کو اسلام قبول کرنے یا بعثتِ اسلام سے پہلے ہی خرید لیا تھا۔ اِس تحقیقِ جدید پر اس کے سوا کیا عرض کیا جائے کہ ع اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست
بالفرض محال اگر انھیں اسلام سے پیشتر ہی خرید لیا تھا تو حضرت ابوبکر ؓ کے والدِ ماجد ابو قحافہ کے یہ فرمانے پر کہ ابوبکر تم نے چست و چالاک اور اچھا خاصا کمانے والے غلام نسطاس کے عوض ایک نکمّے اور بیکار غلام (بلال ؓ) کو کیوں خریدا؟ جواب تھا "محض رضائے الٰہی کے لئے۔"[2] ایسا جواب حضرت ابوبکر ؓ اپنے اور سیدنا بلال ؓ کے قبولِ اسلام کے بعد ہی دے سکتے تھے۔

یزید بن معاویہ ؓ کی شراب نوشی کے ذیل میں رقمطراز ہیں: "یزید شراب کا عادی تھا لیکن کبھی مدہوش نہیں دیکھا گیا۔ شراب کے بارے میں ہزاروں برس سے یہ بات مشہور تھی اور تقریباً ہر ملک کے باخبر لوگ (؟) اس بات کی توثیق کرتے چلے آئے تھے کہ اعتدال میں رہ کر شراب نوشی سے صحت پر اچھا اثر پڑتا ہے۔

لہ صدیق اکبر ؓ از مولانا سعید احمد اکبر آبادی ؒ ص ۱۱، تذکرہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم (باقی اگلے صفحہ پر)

دماغ روشن ہو جاتا ہے اور قوت متخیلہ کے سامنے تخلیق کی نئی راہیں کھل جاتی ہیں۔" (ص ۴۳۶)
شراب خانہ خراب اور ام الخبائث کے یہ صفات غالباً یزید کی مے نوشی کے جواز میں سپرد قلم فرمائے ہیں۔ کاش شراب کے فوائد کی توثیق و تصدیق کرنے والے چند باخبر دانشور حضرات کے اسمائے گرامی بھی، ہم کوتاہ علم اور طالب علمانہ ذہنیت کے لوگوں کو آگاہی بخشنے کے لئے ثبت فرما دیئے ہوتے تو بہتر تھا۔ الحاصل اس کے فوائد اور "گرچہ زناں خوری تو کہ کار، نیک بد" سے صرف نظر کرتے ہوئے، قارئین کی توجہ پروفیسر صاحب کی اس عبارت کی طرف منعطف کرانا چاہیں گے جو انھوں نے اسی صفحہ پر مذکورہ سطور کے تقریباً فوراً بعد ہی رقم فرمائی ہے۔ ..... "اسلام لانے کے بعد بھی عرب مسلمانوں میں شراب نوشی ختم نہیں ہوئی۔ رسول اللہؐ کے **بعض صحابہ** بھی پیتے تھے اور ان میں سے جو لوگ مدہوش دیکھے یا پکڑے گئے ان میں چند ممتاز نام یہ ہیں: رسول اللہ کے چچا حمزہؓ بن عبدالمطلب، ابوجندل بن سہیل، عمر فاروق کے بہنوئی قدامہ بن مظعون، عمر فاروق کے لڑکے عبید اللہ، صلت بن عاص اور حسانؓ بن ثابت ....." یہ خاکسار اپنی نہایت محدود معلومات کے بل بوتے پر اس میں صرف اتنا اضافہ اور کرنے کی اجازت چاہے گا کہ اسلام لانے کے بعد نہ صرف "بعض صحابہؓ" بلکہ بہت سے صحابۂ کرام پیتے تھے اور نہ صرف پیتے تھے بلکہ پی کر نماز ادا کرنے بھی آ جایا کرتے تھے کیونکہ اس وقت تک شراب کی حرمت کا حکم ہی نازل نہیں ہوا تھا۔ اور اس امر میں اختلاف ہے کہ تحریم شراب کس سال کا واقعہ ہے

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴۳) مرتبہ مالک رام ص ۳۴۷ حاشیہ ۵ طبع دوم، تاریخ ابن خلدون ۱: ۲۹۷ نیز تاریخ الخلفا حصہ اول ص ۷۷، از علامہ السیوطی (ادارہ درس قرآن - دیوبند) ۵ بعض روایات میں ہے کہ حضرت بلال کو آپ نے اس حال میں خریدا کہ آپ پتھر کے نیچے دبے ہوئے تھے اور آپ کو تکلیف دی جا رہی تھی۔

بعض محقق کہتے ہیں کہ شراب جنگِ اُحد (۳ھ) کے بعد حرام ہوئی جیسا کہ حضرت جابرؓ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ غزوۂ اُحد کی صبح کچھ لوگوں نے شراب پی اور یہ سب اُسی دن شہید ہوئے، یہ شراب کی حُرمت سے پہلے ہوا[1] چنانچہ از روئے قرآن ان حضرات رضؓ پر کوئی گرفت نہیں جیسا کہ حکم ہے : جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک عمل کرنے لگے انھوں نے پہلے جو کچھ کھایا پیا تھا اُس پر کوئی گرفت نہ ہوگی ......" (المائدہ آیت ۹۳) رسول اللہ کے خادمِ خاص اور نورِ نبوت کے چراغوں میں سب سے آخر میں گل ہونے والے چراغ نیز ۱۲۸۶ احادیثِ نبویؐ کے ذی شان راوی حضرت انس رضؓ بن مالک (متوفی ۹۳ھ) کی ایک روایت بھی ۳ھ کی تائید میں ہے بعض دوسرے حضرات ۴ھ کو تحریمِ خمر کا سال تسلیم کرتے ہیں، کچھ محققین کے نزدیک یہ ۶ھ کے اواخر یا ۷ھ کے اوائل کا واقعہ ہے کیونکہ شراب کی قطعی حرمت سورۂ المائدہ کی آیات ۹۰، ۹۱ کے ذریعہ عمل میں آئی ہے اور اس سورہ کا زمانۂ نزول بقول علامہ مودودی مرحوم (۶ھ) کے اختتام یا ۷ھ کی ابتدا میں مانا جاتا ہے[2] ۔ کچھ لوگ ۸ھ میں حرام ہونا بتلاتے ہیں جیسا کہ حضرت عائشہ رضؓ کی اُس روایت سے ظاہر ہوتا ہے جس میں آپؐ نے اِس قدر تاخیر سے حرمتِ خمر کے اعلان کی حکمت بیان فرمائی ہے۔ اور خود فاضل مصنف اپنی تصنیف کے صفحہ ۲۴۲ پر شراب کی مطلق حُرمت ہجرت کے چوتھے یا پانچویں سال تسلیم کرتے ہیں۔ اندریں صورت سید الشہدا حضرت حمزہؓ کا اسمِ گرامی مذکورۃ الصدر فہرست میں شامل فرما کر معلوم نہیں تحقیق و ریسرچ کے کس پہلو کو منظرِ عام پر لایا گیا ہے۔ جبکہ حضرت حمزہؓ تحریمِ خمر سے بیشتر ہی معرکۂ اُحد میں جامِ شہادت نوش فرما کر سید الشہدا

---

۱ سیرۃ النبیؐ ۲: ۱۴۲، تفصیل کے لئے ص ۱۴۲ سے ۱۴۹ تک ملاحظہ ہو مطبوعہ ۱۹۸۲ء اعظم گڑھ۔

۲ سورۃ المائدہ کے زمانۂ نزول کی تعیین کے لئے دیکھئے تفہیم القرآن ۱: ۴۳۴ مطبوعہ مئی ۱۹۸۳ء۔

ہو چکے تھے لیکن عبارت زیرِ بحث کے فقرہ "دیکھے یا پکڑے گئے" سے علی الخصوص اور نقل کردہ پوری عبارت سے علی العموم یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ تمام حضرات تحریم شراب کے بعد بھی پیتے تھے بے شک جن لوگوں نے تحریم کے بعد شراب پی اُن پر حد جاری کی گئی۔ حضرت عمر فاروق رضہ کے صاحبزادہ عبید اللہ کا واقعہ تو اتنا مشہور ہے کہ وہ کسی سند کا محتاج نہیں یعنی وہ دورانِ حد پٹتے پٹتے (حضرت عمر رضہ کی آنکھوں کے سامنے) اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ الغرض بقول پروفیسر صاحب ہمارا بھی یہ عقیدہ ہے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین فرشتے اور معصوم عن الخطا ہستیاں نہ تھے اور ہمیں یہ بھی بدیہی طور پر تسلیم ہے کہ صحابہؓ سے بے شک چھوٹے بڑے جرائم وقتاً فوقتاً سرزد ہوتے رہے لیکن غور طلب بلکہ قابلِ تقلید بات یہ ہے کہ ارتکابِ جرم نے اُس عہدِ منفرد کی کئی خصوصیات ہمارے سامنے کر دیں ایک تو ارتکابِ گناہ کے فوری بعد مثبت احساسِ ندامت، دوسرے انابت الی اللہ تعالیٰ کی شدت جس سے نہ صرف جرم کے جراثیم قوی اور متعدی نہ ہو سکے بلکہ مدارجِ اُخروی بلند سے بلند تر ہوتے چلے گئے۔ ایسا معاشرہ جس میں جرم و گناہ کا امکان ہی باقی نہ رہے جنت ہی میں ہوگا۔ یہاں تو یہ دیکھنا چاہیئے کہ نفسِ اَمّارہ تا نفسِ مرضیہ نفوس کی شرح فیصد کیا ہے۔ مزید برآں صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کا ایک بڑا طبقہ نفس کی چھیڑ چھاڑ سے اگرچہ محفوظ نہ تھا مگر چھیڑ چھاڑ اور غلبہ میں ایک فاصلۂ عظیم ہے۔[1]

صفحہ ۵۷۶ پر بزیرِ عنوان "پردہ" رقمطراز ہیں: عہدِ نبوی اور خلافتِ راشدہ کی طرح اُموی معاشرے میں بھی پردے کا رواج نہیں تھا۔ عورتیں قضائے حاجت، اقرباء سے ملاقات اور تہوار منانے گھر سے نکلتی تھیں، عیدین کے موقع پر رسول اللہ صلعم اپنی لڑکیوں

---

[1] ملاحظہ ہو مقالہ "فلسفۂ حدودِ اسلامی پر ایک نظر" از جناب ثناء اللہ صاحب عباسی۔ ایم اے (اسلامک اسٹڈیز) جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، شمولہ ماہنامہ ... ۳۳۳

اور بیویاں لونڈیوں کو چھوڑ دیا جاتا تھا.... عہد نبویؐ میں حکم تھا کہ آزاد عورتیں گھر سے باہر جاتے وقت سر ڈھانپ لیا کریں اور کنیزیں باہر جاتے وقت سر کھول لیا کریں تاکہ دیکھنے والے دونوں میں امتیاز کر سکیں۔ اس حکم کے پیچھے یہ آیت تھی: یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ جَلَابِیْبِھِنَّ ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ (احزاب)۔ اے نبی اپنی بیویوں، لڑکیوں اور مسلمان عورتوں سے کہہ دو کہ (گھر سے باہر نکلتے وقت) اپنا دوپٹہ سر پر ڈال لیا کریں، اس طرح وہ لونڈیوں سے متمایز ہو جائیں گی۔ اور لوگ انہیں نہیں چھیڑیں گے۔ آیت کا سیاق و سباق یہ ہے کہ رسول اللہؐ اور دوسرے معزز صحابہؓ کی بیویاں جب گھر سے باہر نکلتی تھیں تو لوگ انہیں چھیڑ (چھیڑا) کرتے تھے" (ص ۵۶-۵۷)

اس بات سے قطع نظر کہ سابق الذکر تینوں ادوار میں پردہ رائج تھا یا نہیں اور اسلام میں پردہ کی ابتداء (مذکورہ بالا عبارت پڑھنے کے بعد "بدعت" کہنا مناسب ہوگا) کب سے ہوئی؟ اولاً یہ عرض کرنا ہے کہ محولہ بالا آیتِ شریفہ میں "علیھن" کے بعد حرفِ جر (من) محذوف ہے، دوسرے "جلابیبھن" کی بجائے "جلبابھن" اور "ذٰلک" کی بجائے "ذلک" لکھا ہوا ہے۔ قرآنی آیات کی کتابت میں ایسی بے اعتنائی درست نہیں (اصلاحِ سہو و خطا کے صفحات پر بھی ان کی تصحیح نہیں کی گئی) تاہم ممکن ہے یہ سہو ہوا ہو اور اگر ان امور کو کاتب و عکس نویس کی سہل انگاری پر بھی محمول کر لیا جائے تب بھی "جلباب" کا ترجمہ محض "دوپٹہ" محلِ نظر ہے جبکہ ہماری رسائی کی حد تک دیگر مفسرین نے اس لفظ کا ترجمہ "چادر" یا "بڑی چادر" کیا ہے، جو حسبِ ذیل ہیں:-

(۱) جلباب عربی زبان میں بڑی چادر کو کہتے ہیں (تفہیم القرآن از مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب مرحوم، ۴: ۱۲۹)۔

(۲) "جلابیب جمع جلباب کی بمعنی بڑا کپڑا، اوڑھنا وغیرہ جس سے تمام بدن سر یا قدم تک ڈھک جاوے" (تفسیر حقانی سورۂ احزاب، پارہ ۲۲-رکوع چار آیت ۵۹ ص ۹۲ شائع کردہ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند)

(۳) حضرت مولانا شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی علی الترتیب "بڑی چادریں اور" چادریں" کا ترجمہ فرمایا ہے۔

(۴) جناب عبداللہ یوسف علی صاحب "جلباب" کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "Jilbab, Plural Jalabib: an outer garment, a long gown covering the whate body, or a cloak covering the neck and bosom" (the meaning of the glorious Quran' VOL. 2. P. 1126. F. N. 3765)

دراصل چادر دوپٹہ سے زیادہ بڑی اور لمبی چوڑی ہوتی ہے جو جزو لباس نہیں ہوتی جبکہ دوپٹہ نسبتاً (طولاً وعرضاً) چادر سے چھوٹا اور عورتوں کے لباس کا جزو لاینفک ہوتا ہے جسے وہ اپنے سر سے اندرونِ خانہ بھی جدا نہیں کرتیں۔ علامہ نیشاپوریؒ (المتوفی ۵۔۔ھ) کی ایک عبارت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ چادر اور دوپٹہ دو جدا گانہ چیزیں ہیں، فرماتے ہیں کہ "ابتدائے عہدِ اسلام میں عورتیں زمانۂ جاہلیت کی طرح قمیص اور دوپٹے کے ساتھ نکلتی تھیں۔ اور شریف عورتوں کا لباس ادنیٰ طبقہ کی عورتوں سے مختلف نہ تھا پھر حکم دیا گیا کہ وہ چادریں اوڑھیں اور اپنے سر اور چہروں کو چھپائیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ شریف عورتیں ہیں، فاحشہ نہیں ہیں"[۱] (حاشیہ ۱ اگلا صفحہ پر)۔

ملا۔ مرحوم کی عبارت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عورتیں دوپٹہ تو آیتِ پردہ کے نزول سے پہلے بھی اوڑھا کرتی تھیں۔ پھر آیتِ حجاب میں دوپٹہ اوڑھنے کا حکم کیوں دیا گیا؟

فاضل مصنف کی مذکورۂ بالا عبارت کے آخری فقرہ "لوگ انھیں چھیڑا کرتے تھے" سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عورتوں سے چھیڑ خانی کرنے والوں میں بھلے برے، اشراف و اراذل اور مومنین و منافقین سب ہی ملوث تھے کیونکہ لفظ "لوگ" کے استعمال سے عموم ثابت ہوتا ہے جبکہ آیتِ حجاب (احزاب آیت ۵۹) کا سیاق و سباق یہ ہے کہ اس آیتِ شریفہ کے نزول کے وقت مدینۂ منورہ میں منافقین کا ایک گروہ بھی فعال و متحرک تھا جو مسلمانوں کے خلاف بہت سی درپردہ ریشہ دوانیوں کے علاوہ مستورات سے موقع بے موقع چھیڑ چھاڑ بھی کیا کرتا تھا جیسا کہ سورۂ احزاب کی آیت ۵۸ اور ۶۰ سے صراحت ہوتی ہے، "اور جو لوگ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو بدوں اس کے کہ انھوں نے کچھ کیا ہو ایذا پہنچاتے ہیں، تو وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا بار لیتے ہیں ......" "یہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں خرابی ہے اور وہ لوگ جو مدینہ میں (جھوٹی جھوٹی) افواہیں اڑایا کرتے ہیں، اگر باز نہ آئے تو ضرور ہم آپؐ کو اُن پر مسلط کریں گے۔ پھر یہ لوگ آپ کے پاس مدینہ میں بہت ہی کم رہنے پائیں گے۔" (ترجمہ حضرت تھانویؒ) جناب عبداللہ یوسف علی صاحب ان لوگوں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

The 'Hypocrites' were men who pretended to be in Islam but whose manners and

---

(حاشیہ گذشتہ صفحہ ۱۵) له بحوالہ "پردہ" از مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب مرحوم۔ ص ۲۳۹

morals were anti-Islamic. Those "with diseased hearts" may have been the ones that molested innocent women ...." (The meaning of the 'Glorious Quran' Vol-2-P-1127 F.N. 3768)

بہرحال عورتوں سے چھیڑ کرنے والے صرف منافق، فاسق، بدنیت اور بدکار لوگ ہی تھے جن کے قلوب میں شک وشبہ اور مرضِ زناکاری پوشیدہ تھا۔ الحاصل آیتِ حجاب کے نازل ہونے کے بعد عہدِ نبوی میں مسلمان عورتیں اپنے چہروں پر نقاب ڈالنے اور جسم کو چادروں سے ڈھانپنے لگی تھیں اور گھروں سے بے پردہ باہر نکلنے کا رواج بالکل بند ہوگیا تھا اور قضائے حاجت کے لئے گھروں میں جائے ضرور ی (Latrines) کے بندوبست کر دئے گئے تھے لیکن پردہ کے حکم کا منشا یہ ہرگز نہیں کہ مخدرات گھر کی چہار دیواری سے قدم باہر ہی نہ نکالیں۔ پروفیسر موصوف نے اپنے اس مفروضہ کی تائید میں کہ عہدِ نبوی، خلافتِ راشدہ اور اموی دور میں پردہ کا رواج نہیں تھا، اپنی تصنیف کے صفحہ ۵۷۷ سے ۵۸۸ تک بہت سی مثالیں فراہم کی ہیں جن میں سے چند ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہیں "عمر فاروق رضؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا تو ان کی بیوی عاتکہ نماز فجر کے لئے مسجد میں موجود تھیں۔۔۔ مسجدِ نبویؐ میں بعض عورتیں سوت کاتتی اور کھجور کے پتوں سے کوئی چیز بناتی رہتی تھیں، عمرہ بنتِ طبیخ نامی عورت ایک روز اپنی کنیز کے ہمراہ بازار گئی۔ وہاں اس نے ایک دیل مچھلی خریدی۔۔۔۔ اس کا سر اور دم ٹوکری سے باہر تھا علی حیدرؓ کا ادھر سے گذر ہوا تو انھوں نے پوچھا: کتنے میں خریدی؟ حضرت عباس بن عبدالمطلب کے جنازہ میں مہاجر عورتوں کے علاوہ شہر کی ساری انصار عورتیں شریک تھیں" (ص ۵۷۷) حضرت عائشہؓ نے ایک لال اونٹ پر آہنی کجاوے کے اندر بیٹھ کر جنگِ جمل کی قیادت کی (ص ۵۷۸) تھے

کے ایک بڑے قریشی گھر کا غزل گو شاعر عمر بن ابی ربیعہ (م ۹۳ھ) ممتاز گھرانوں کی عورتوں کی ٹولی میں رہتا تھا (ص ۵۰۸)، فقیہہ و محدث محمد بن اسحاق سیرت نبوی کے لئے مواد جمع کرتے تھے، اُن کی درخواست پر عبداللہ بن ابی بکر نے انھیں اپنی بیوی فاطمہ سے ملنے اور عہد نبوی سے متعلق مطلوبہ معلومات اخذ کرنے کی اجازت دیدی تھی (ص ۵۰۷) گورنر عراق حجاج بن یوسف نے اپنی قید میں پچاس ہزار مردوں کے علاوہ بیس ہزار عورتوں کو بھی قید کر رکھا تھا۔ یہ شہادت بھی اس بات کا وزنی ثبوت ہے کہ اموی معاشرے میں پردہ نہیں تھا۔ (ص ۵۸۷-۸۸)۔

خاکسار اپنی طالب علمانہ حیثیت اور علمی بے مائیگی کے پیش نظر یہ عرض کرنے کی جسارت تو نہیں کرسکتا کہ لائق پروفیسر صاحب نے پردہ کے عدم رواج کے بارے میں انتہائی تلاش و تفحص اور تحقیق و تدقیق کے ساتھ جوئے شیر لانے کے مترادف جو وافر شہادتیں بہم پہنچائی ہیں، اُن پر علمی متانت کو ہنسی آئے بغیر نہیں رہ سکتی، تاہم اتنا ضرور عرض ہے کہ مندرجہ بالا نظائر سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ مبینہ واقعات کا صدور حالت بے پردگی میں ہی ہوا تھا؟ علاوہ ازیں ضروریات کی خاطر عورتوں کو شرائط حجاب کی پابندی کے ساتھ گھروں سے نکلنے کی پوری اجازت ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے تم (عورتوں) کو اجازت دی ہے کہ تم اپنی ضروریات کے لئے گھر سے نکل سکتی ہو" (بخاری باب خروج النساء) پھر کوئی بھی باپردہ عورت "چپ کی داد" نہیں ہوتی کہ اس سے قدرتاً ہمکلام ہونا شرعاً ممنوع ہو، چنانچہ موصوف نے تقریباً دس صفحات میں بے پردگی کے ضمن میں جتنی مثالیں رقم فرمائی ہیں ان سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کسی طرح مناسب نہیں کہ عورتیں جنگ کی قیادت کرنا یا زخمیوں کو پانی پلانا اور ان کی مرہم پٹی کرنا، یا کسی تھڑ دلے سپاہی کو شرم و عار دلانا، مساجد میں نماز ادا کرنے جانا، جنازہ میں شرکت کرنا، کسی عورت سے کسی چیز کی قیمت پوچھنا، کسی فاضلہ خاتون سے کوئی مسئلہ یا تاریخی روایات دریافت کرنا، یا کسی اوباش کا شریف خواتین کا تعاقب